⊙ عباس علی

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

⊙⊙ ڈاکٹر عقیلہ بشیر

پروفیسر، شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

ادبی رجحانات کی تشکیل میں مجلّہ فنون کا کردار

Abstract:

There are only a few literary figures of Urdu who has been known as equally fertile in modern poetry and prose. Ahmad Nadeem Qasmi is one of them. He stands at the pinnacle of Urdu literature as a poet and short story writer. His move towards both genres was progressive throughout of his career. Besides of his writing another great contribution towards literature set up by Ahmad Nadeem Qasmi is *Fanoon*. This magazine is considered as a faction to endorse the progressive loom in literature. This article addresses the input of Fanoon towards Urdu Literature in historical perspective.

Keywords:

Nadeem Qasmi Fanoon Progressive Magazine Trends

ادبی جرائد کی اشاعت کا مقصد اگر چہ یہ ہوتا ہے کہ شعرا اور ادیبوں کی تخلیقات کو قارئین کے حلقے تک رسائی دی جائے مگر اس مقصد کے ساتھ ساتھ یہ جرائد جو سب سے اہم فریضہ سرانجام دیتے ہیں وہ معاصر ادب کے رجحانات کی تشکیل اور صورت گری ہے۔ دنیا کی سبھی بڑی زبانوں میں شائع ہونے والے ادبی جرائد نہ صرف یہ کہ شاعروں اور ادیبوں کو اظہار کا پلیٹ فارم مہیا کرتے ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر نئے لکھنے والوں کے سامنے تخلیق کا معیار اور نئے تجربوں کی قدر و قیمت کا تعین بھی کرتے ہیں۔ انگریزی زبان میں ٹائمز کا لٹریری سپلیمنٹ اور نیویارک بک ریویو شاید اس بات کی سب سے روشن مثالیں ہیں۔ اردو میں شائع ہونے والے ادبی جرائد نے انہی دونوں ذمہ داریوں کو مقدور بھر ادا کیا ہے۔ ترقی پسند اور روشن فکر نظریۂ ادب کا ترجمان مجلّہ فنون (۱) اپنی پچپن برس پر محیط تاریخ میں ایک سو سینتیس اشاعتوں کی بدولت

اردو کی ادبی صحافت میں ایک معروف مقام رکھتا ہے۔ یہاں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس طویل دورانیے میں یہ مجلّہ اوراس کی مجلس ادارت اپنی ان دو بنیادی ذمہ داریوں کو نبھانے میں کس حد تک کامیاب رہے ہیں۔

اردو میں ادبی جرائد کی روایت لگ بھگ اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود اردو صحافت۔ اردو زبان میں شائع ہونے والا پہلا اخبار جامِ جہاں نما ۲۷/مارچ ۱۸۲۲ء میں کلکتہ سے ایک ہفت روزہ کی شکل میں شائع ہوا۔ یہ اخبار اگرچہ بنیادی طور پر خبری صحافت کے مواد پر مشتمل تھا لیکن اس کی اشاعت کا اصل پس منظر اردو کی لسانی ترقی وفروغ بھی تھا۔ اقتباس ملاحظہ کریں:

> ''کمپنی کی خواہش تھی کہ اردو یا ہندوستانی کو رواج دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ 'جام جہاں نما' کو پہلے اردو میں جاری کیا گیا۔ جب چند ہی پرچوں کے بعد یہ محسوس ہوا کہ لوگ فارسی کے ساتھ زیادہ مانوس ہیں، تو فارسی کر دیا۔ اس کے بعد اردو ضمیمہ جاری کیا گیا تا کہ آہستہ آہستہ لوگوں کا ذوق بدلا جا سکے لیکن یہ اقدام بھی ناکام رہا اور اردو ضمیمہ بند کرنا پڑا۔''(۲)

جامِ جہاں نما تو چل نہ سکا لیکن اردو میں لسانی وادبی صحافت کی بنیاد ضرور پڑ گئی۔ کلکتہ کے بعد دہلی سے پہلا اردو اخبار ۱۸۳۶ء میں مولوی محمد باقر کی ادارت میں ہفت روزہ دهلی اخبار کے نام سے جاری کیا جس نے بعد میں دهلی اردو اخبار کا نام اختیار کیا(۳)۔ یہ اخبار ۱۸۳۶ء سے ۱۸۵۷ء تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ اس کے مشمولات پر ادبی رنگ خاصا گہرا تھا۔ مثلاً اس عہد کے خالص ادبی مسئلے موازنۂ ذوق وغالب سے اس اخبار کی مجلسِ ادارت کو خاص دلچسپی تھی۔ ڈاکٹر مسکین علی حجازی لکھتے ہیں:

> ''دہلی کی ادبی زندگی میں ذوق اور غالب کے گروہوں میں کشمکش جاری تھی۔ اس میں 'دہلی اردو اخبار' ذوق کی حمایت کرتا تھا اور غالب کی مخالفت میں حدود سے تجاوز بھی کر دیتا تھا۔''(۴)

شہر لاہور کو غیر منقسم ہندوستان کے شہروں میں بھی اہم اور مرکزی مقام حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ لاہور میں اردو صحافت کی تاریخ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے بھی قدیم تر ہے۔ لاہور سے اردو زبان میں شائع ہونے والا پہلا اخبار کوہِ نور ۱۴/جنوری ۱۸۵۰ء میں شائع ہوا۔ یہ ہفت روزہ اخبار بنیادی طور پر خبروں پر ہی مشتمل ہوتا تھا(۵)۔ لاہور میں اردو کا پہلا ادبی رسالہ ۱۸۵۳ء میں منشی دیوان چند کی ادارت میں پندرہ روزہ ھمابے بھا کے نام سے جاری ہوا۔ جس کے مشمولات کے عنوانات سائنسی، علمی اور ادبی نوعیت کے ہی ہوتے تھے(۶)۔

۱۸۵۳ء سے شروع ہونے والا اردو کی ادبی صحافت کا یہ سفر بہت سے وقیع اور فعال رسائل وجرائد پر مشتمل ہے۔ ان جرائد میں پیارے لال آشوب اور محمد حسین آزاد کی ادارت میں شائع ہونے والا رسالۂ انجمن (۱۸۶۵)، شیخ عبدالقادر کی ادارت میں ماہنامہ مخزن (۱۹۰۱ء)، امتیاز علی تاج کا کهکشاں (۱۹۱۸ء)، میاں بشیر احمد کا همایوں (۱۹۲۲ء)، کلیم احمد شجاع کا هزار داستان (۱۹۲۲ء)، حافظ محمد عالم کا عالمگیر (۱۹۲۴ء)، حکیم محمد یوسف حسن اور محمد دین تاثیر کا نیرنگِ خیال (۱۹۲۴ء)، اختر شیرانی کا بهارستان (۱۹۲۶ء) اور تاجور نجیب آبادی کا ادبی دنیا (۱۹۲۹ء) جسے ۱۹۳۸ء میں مولانا صلاح الدین احمد اور میراجی شائع کرتے رہے، بطورِ خاص قابل ذکر ہیں۔ اس دور کا

سب سے معروف ماہنامہ ادبِ لطیف تھا جسے مارچ ۱۹۳۵ء میں پنجاب بک ڈپو کے مالک چودھری برکت علی نے نکالا۔ جس کا بنیادی مقصد لوگوں کو اردو زبان کی طرف مائل کرنا اور علمی وتنقیدی مضامین کے ذریعے ایک صاف ستھرا ادب پیدا کرنا تھا۔آغاز میں ادبِ لطیف رومانویت کے زیرِ اثر رہا مگر بعد میں ادبِ لطیف ترقی پسند تحریک کے ادبا کا ترجمان بن کر سامنے آیا(۷)۔ماہنامہ ادبِ لطیف کے مدیران میں چودھری برکت علی، طالب انصاری بدایونی، مرزا ادیب، فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، فکر تونسوی، ممتاز مفتی، عارف عبدالمتین انتظار حسین اور دوسرے اہم نام شامل ہیں۔

لاہور سے اپریل ۱۹۶۳ء میں جاری ہونے والے مجلّہ فنون نے اپنے آغاز کے لئے کسی خاص نعرے یا جہت کا انتخاب کیا اور نہ ہی یہ کہا کہ اس کے پیش رو ادبی جرائد اپنے معیار ومقام میں تنزل کا شکار ہیں۔گویا ادبی جرائد کے دورِ ابتلا میں مجلّہ فنون کو جاری کر کے ادبی معیار کو بلند کرنے کی سعی کی جا رہی ہے بلکہ احمد ندیم قاسمی کے مطابق اس کے اجرا کا بنیادی مقصد ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کرنا تھا جو نئے لکھنے والوں کے لئے اظہار کا ذریعہ بن سکے۔احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں ہمیں اپنے ذوقِ علم وفن کو دوسروں سے متعارف کرانے کا حق کیسے پہنچا؟ تو عرض یہ ہے کہ فن ہو یا ذوقِ فن، ہمیشہ تشنۂ اظہار رہتا ہے اور 'فنون' اس کے مرتبین کے ذوقِ فن کا اظہار ہے۔اگر ادبی رسالے کے اجرا کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہونی چاہئے تو 'فنون' کے اجرا کی وجہ یہی سمجھ لیجئے کہ ہم آزادیِ اظہار، شائستہ آزادیِ اظہار کو علم وفن کی بقا اور ارتقا کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔''(۸)

احمد ندیم قاسمی فنون کے آغاز سے قبل جن دوسرے نمایاں رسائل کی ادارت کا حصہ رہے ہیں جن میں کالج میگزین نخلستان (۳۶-۱۹۳۵ء)، ہفت روزہ پھول (۴۵-۱۹۴۱ء)، ہفت روزہ تہذیب نسواں (۴۵-۱۹۴۱ء)، ماہنامہ ادبِ لطیف (۴۶-۱۹۴۳ء)، رسالہ سویرا (۴۸-۱۹۴۷ء)، رسالہ نقوش (۴۹-۱۹۴۸ء)، ماہنامہ سحر (۱۹۵۰ء) اور روزنامہ امروز (۵۹-۱۹۵۳ء) شامل ہیں جبکہ فنون (اپریل ۱۹۶۳ء) کے اجرا کے بعد رسالہ اقبال (۸۸-۱۹۷۷ء) کے اعزازی مدیر اور رسالہ صحیفہ (۲۰۰۶ء-۱۹۷۴ء) کی ادارت کا حصہ رہے ہیں۔احمد ندیم قاسمی کے ہاں ہونے والی بیٹھکوں میں حبیب اشعر دہلوی، مصور موجد اور ملک اسلم شریک ہوا کرتے تو شعر و ادب موضوعِ بحث ہوتا تھا۔انہی دنوں میں حبیب اشعر دہلوی حکمت سے وابستہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک طبی رسالہ حاذق نکالا کرتے تھے۔فنون کا آغاز انہی نشستوں کی مرہونِ منت ہے۔قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

''ان دنوں حکیم صاحب ایک طبی رسالہ 'حاذق' کے نام سے نکالتے تھے مگر وہ نہ حکمت کی طرف پوری طرح متوجہ ہوتے تھے اور نہ 'حاذق' باقاعدگی سے شائع ہو پاتا تھا۔باتوں باتوں میں ایک روز ہمارے درمیان فیصلہ ہوا کہ 'حاذق' کا نام بدل کر اسے ادبی رسالے کی حیثیت سے شائع کرنا چاہئے۔رسالہ 'حاذق' کا صرف نام بدلنے کی درخواست منظور ہوئی اور میں نے اس کا نیا نام 'فنون' تجویز کیا جو متفقہ طور پر منظور ہوا۔''(۹)

فنون کے پہلے چار شماروں یعنی اپریل ۱۹۶۳ء سے اکتوبر، نومبر ۱۹۶۴ء کے بعد مئی، جون ۱۹۶۵ء کے شمارہ

پر دورِ جدید لکھا اور عددی ترتیب بنائی مگر چند پرچوں کے بعد یہ ترتیب برقرار نہ رکھی گئی۔ اپریل، مئی ۱۹۷۶ء سے دورِ نو کے تحت ایک سے پچاس تک عددی ترتیب رہی اور پھر جنوری، مارچ ۱۹۹۸ء/ اپریل، جون ۱۹۹۸ء میں شائع ہونے والا پرچہ ۱۰۷۔۱۰۸ کے نمبر کے تحت شائع ہوا اور موجودہ شمارہ جنوری، مارچ ۲۰۱۶ء/ اپریل، جون ۲۰۱۶ء (شمارہ نمبر ۱۳۸) تک یہ عددی ترتیب برقرار رکھی گئی ہے۔ شمارہ نمبر ۱۲۶ کے بعد کے ۱۲۸ نمبر شمار سے شائع ہوا کیونکہ شمارہ نمبر ۱۲۷ مواد کی عدم دستیابی کے باعث تا حال شائع نہیں ہو سکا اس لیے شمارہ نمبر کے اعتبار سے ۱۳۸ مگر تکمیلِ اشاعت کے اعتبار سے مجلّہ 'فنون' کے شماروں کی مجموعی تعداد ایک سو سینتیس (۱۳۷) ہے۔

مجلّہ فنون کے ابتدائی انتیس شماروں (اپریل ۱۹۶۳ء سے اپریل، مئی ۱۹۷۱ء) کی ادارت میں احمد ندیم قاسمی اور حبیب اشعر دہلوی اپنے فرائض نبھاتے رہے ہیں۔ حبیب اشعر دہلوی کے انتقال (جون ۱۹۷۱ء) کے بعد احمد ندیم قاسمی نے شمارہ جون، جولائی ۱۹۷۱ء سے جولائی، ستمبر ۱۹۹۱ء (تریسٹھ شمارے) تک بطور مدیر فنون کو جاری رکھا اور اس کے بعد شمارہ اکتوبر، دسمبر ۱۹۹۱ء سے منصورہ احمد مدیرِ منتظم کے طور پر فنون کا حصہ بنیں۔ منصورہ احمد کے شاملِ ادارت ہونے سے فنون کی اشاعت میں باقاعدگی پیدا ہوئی جو کہ اس سے قبل بعض اوقات تاخیر کا شکار ہو جاتی تھی۔ احمد ندیم قاسمی نے ان کی شمولیت کو فنون کے لئے بہترین اضافہ قرار دیا اور لکھا:

> ''اسی بیٹی نے 'فنون' کا سارا انتظام و انصرام اپنے ذمے لے لیا اور میرا کام صرف یہ رہ گیا کہ رسالہ مرتب کروں۔ یوں مجھے بے حد سکون حاصل ہوا اور ادھر منصورہ بیٹی کی حیرت انگیز محنت و کاوش سے اخباری کاغذ پر چھپنے والا 'فنون' سفید کاغذ پر شائع ہونے کے قابل ہو گیا۔ بیٹی نے رسالے کے باقاعدہ خریدار بنانے میں کمال کی محنت کی اور خریداروں کی تعداد ایک دم دس گنا ہو گئی۔ ساتھ ہی 'فنون' کی اشاعت میں باقاعدگی پیدا ہو گئی۔''(۱۰)

اس کے ساتھ ساتھ فنون کا دفتر نہ صرف ایک پرچے کی اشاعت کا دفتر تھا بلکہ مختلف اوقات میں وہاں بیٹھنے والوں میں علی عباس جلالپوری، رشید ملک، محمد کاظم، خالد احمد، گلزار وفا، امجد اسلام امجد، عدیم ہاشمی و دیگر شامل تھے کہ جنہوں نے اس دفتر کو ایک سنجیدہ اور با مقصد ادب کے اصول و قواعد کو سمجھنے کی تربیت گاہ بنائے رکھا۔ مقامی اور دوسرے شہروں سے آنے والے شعرا و ادبا کے لئے یہ دفتر تربیت گاہ کا مقام رکھتا تھا۔ احمد ندیم قاسمی کی زندگی میں شائع ہونے والا آخری پرچہ نومبر، دسمبر ۲۰۰۵ء/ جنوری، مارچ ۲۰۰۶ء (شمارہ نمبر ۱۲۶) تھا۔ احمد ندیم قاسمی کے انتقال (۱۰/ جولائی ۲۰۰۶ء) کے بعد نیر حیات قاسمی (مدیر) اور ڈاکٹر ناہید قاسمی (مدیرِ اعزاز) نے دسمبر ۲۰۰۸ء تا دسمبر ۲۰۰۹ء (شمارہ نمبر ۱۲۸) سے فنون کی اشاعت کو یقینی بنایا اور موجودہ شمارہ جنوری، مارچ ۲۰۱۶ء/ اپریل، جون ۲۰۱۶ء (شمارہ نمبر ۱۳۸) تک اس کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

فنون نے اپنے معیار و وقار کو بلند رکھنے کی خاطر بلا تفریق ان تحریروں کو شائع کیا جو ادبی معیار پر پورا اترتی تھیں اور فنون میں آغاز ہی سے ہر اچھا لکھنے والا شائع ہو رہا تھا۔ اختلافات کے باوجود منیر نیازی، ظفر اقبال، بیدل حیدری، اقبال ساجد و دیگر کی تخلیقات اس مجلّے میں شائع ہوتی رہیں۔ فنون کو بھیجی گئی نثر یا شاعری کو بغور دیکھا جاتا اور جو

تخلیق احمد ندیم قاسمی کے ادبی معیار پر پورا اترتی تھی اسے تعریف کے ساتھ، خواہ وہ ان کے ادبی موقف کی حمایت میں ہو یا نہ ہو لیکن شائع کرتے تھے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کے خیال میں اپنے بہترین دنوں میں فنون سے زیادہ تازہ کار، فکر انگیز مضامین اور عمدہ شعر و افسانہ چھاپنے والا کوئی رسالہ پاکستان میں نہ تھا(۱۱)۔

کسی بھی رسالے کے معیار و وقار کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے شائع کرنے والے اپنے تجربہ اور محنت سے اسے بلندیوں پر لے جائیں ورنہ ایسے بہت سے شمارے ہیں جو خوبصورت کاغذ کے ساتھ نہایت دیدہ زیب سرِورق کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں مگر وہ مقام حاصل نہ کر سکے جو مجلّہ فنون کے حصے میں آیا۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بطور مدیر احمد ندیم قاسمی نے اپنے کڑے ادبی معیار کو سامنے رکھتے ہوئے فنون میں ان تخلیقات کو جگہ دی جو اس میں اشاعت کے قابل تھیں۔ اس کے لئے انہوں نے کبھی بھی مصلحت سے کام نہ لیا بلکہ فنون کو بھیجی گئی تخلیقات میں یہاں وہ ضروری سمجھتے تخلیق کار کو اعتماد میں لے کر ترمیم یا اضافہ کے ساتھ شائع کر دیتے تھے۔ ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

> ''غالباً ۷۲عیسوی کے اوائل میں، میں نے اپنا ایک افسانہ 'کہانی کہنے والا' فنون کو بھجوایا تو قاسمی صاحب نے اس میں سے دو فقرے قلم زد کئے اور مجھ جیسے نومشق کو ایک خط کے ذریعے اعتماد میں لیا کہ یہ فقرے ممتاز مفتی اپنے اوپر چگت خیال کر سکتے ہیں۔''(۱۲)

فنون ایک رسالے کے بجائے تحرک اور تغیر کا نام ہے جو حلقۂ ادب و فن میں اپنے معیار و وقار کے باعث اپنے ہم عصر رسائل و جرائد میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مجلّے میں شائع ہونا شاعر ہونے کی سند تصور کیا جاتا ہے۔ نہ صرف شاعر بلکہ ایک اچھا شاعر اور تقریباً ہر نوآموز شاعر اور لکھاری کی حسرت ہوا کرتی کہ اس کی تخلیق بھی فنون میں شائع ہو تا کہ بطور شاعر یا لکھاری اس کی پہچان بن سکے۔ معیارِ شعر کے حوالے سے احمد ندیم قاسمی مصلحت پسند نہ تھے:

> ''کچھ دن بعد قاسمی صاحب کا خط ملا۔ اس میں ایک غزل کو شامل 'فنون' کرنے کی خبر تھی اور باقی غزلوں کے متعلق یہ رائے کہ انہیں 'فنون' کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ خط کچھ حوصلہ افزا تھا، کچھ حوصلہ شکن۔ مگر اس احساس نے کہ احمد ندیم قاسمی کے پرچے میں چھپنا مذاق تھوڑی ہے، یہ بہت بڑی عزت ہے کہ میری ایک غزل ان کے معیار پر پوری اتری ہے، نے دل کو قدرے اطمینان بخشا۔''(۱۳)

ہر دور میں ادبی رسائل کی ذمہ داریوں میں یہ شامل رہا ہے کہ وہ نامور لکھاریوں کے ساتھ ساتھ نئے لکھنے والوں کو بھی اپنے صفحات کی زینت بنائیں تا کہ ان نئے لکھنے والوں میں مزید نکھار پیدا ہو نہ کہ وہ بددل اور مایوس ہو کر شعر و ادب سے کنارہ کش ہو جائیں اور ادب ان جوہرِ قابل لکھاریوں سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائے۔ احمد ندیم قاسمی نے ان ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے ان گنت تخلیق کاروں کو فنون کے اوراق کے ذریعے متعارف کروایا۔ ایک قد آور مدیر کسی بھی رسالے کو اپنے عہد کے باقی رسائل و جرائد سے ممتاز کر سکتا ہے۔ ایک خاص عہد میں چند لکھنے والے رہ جائیں تو ایک جامد ماحول کا سامنا ہو سکتا ہے مگر مدیر فنون کے طور پر احمد ندیم قاسمی نے اپنے شخصی خصوص یعنی تحرک، تغیر اور ارتقا کو بروئے کار لاتے ہوئے قدیم کے ساتھ ساتھ نئی ادبی روایت کو آگے بڑھایا جو انفرادیت کی حامل ہے۔

احمد ندیم قاسمی نے فنون میں حرفِ اول کے عنوان سے اداریئے لکھے۔ ان اداریئوں میں اردو شعر و ادب، ادبی رسائل کو درپیش مسائل، تعلیم و تدریس کے لئے اردو زبان کو رائج کرنا، سیاسی حالات و واقعات، آزادی اظہار اور اختلافِ رائے جیسے موضوعات کو اہمیت کے ساتھ موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف اصناف کو زیر بحث لا کر فنون نے اولیت کا یہ سہرا بھی اپنے نام کیا ہے۔ اس سے پہلے شاید ہی کوئی ایسا رسالہ ہو جس میں اس انداز سے اصناف کو موضوع بحث بنایا گیا ہو۔ شاعری اپنے مقام اور فن کے اعتبار سے ایک مسلم حیثیت رکھتی ہے لیکن ہر دوسرا فرد اپنے طور اس پر دسترس کا دعوی رکھتے ہوئے یہ خیال کرتا ہے کہ اس کی پہچان بطور شاعر ہونی چاہئے۔ احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

> ''ہمارے ہاں تو ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے پوری قوم شعر کہہ رہی ہے۔ اس میں بھی کوئی خاص قباحت نہیں ہے کیونکہ جس طرح کوئی قانون ایک بدہئیت آدمی کو خوبصورت لباس پہننے سے نہیں روک سکتا اسی طرح شعر کہنے کے لائسنس بھی جاری نہیں کئے جاسکتے۔ قباحت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب معمولی شعرا بلند بانگ ادعا کے ساتھ اپنی معمولی شاعری کو غیر معمولی شاعری قرار دے ڈالتے ہیں...... ساتھ ہی ہمیں بعض اوقات شبہ سا ہوتا ہے کہ ان 'ادعائی' شعرا میں سے چند ایسے بھی ہیں جو اگر اپنی زبان کی شعری روایت سے بھڑکنا ترک کر دیں اور اپنے احساس کمتری پر احساس برتری کا خول چڑھانا چھوڑ دیں تو وہ شاید اچھا شعر بھی کہہ سکتے ہیں اور یوں اپنے تہذیبی سرمائے میں اضافہ بھی کر سکتے ہیں۔'' (۱۴)

احمد ندیم قاسمی نے شاعری کے علاوہ ان اردو افسانہ نگاروں کو بھی تحریک دی جو اس صنف سے کنارہ کش یا سستی کا شکار ہو گئے اور ان افسانہ نگاروں کو بھی آڑے ہاتھوں لیا جو زندگی کی مصروفیات میں کھو چکے تھے۔ احمد ندیم قاسمی کی طرف سے یہ جذبہ اور لگن اس لئے نہیں تھا کہ 'فنون' کو زیادہ سے زیادہ تحریرات موصول ہوں بلکہ اس کا بنیادی مقصد ادب کی پرزور تخلیق تھا۔ جولائی ۱۹۶۳ء کے اداریے میں احمد ندیم قاسمی رقم طراز ہیں:

> ''پاکستان کے افسانہ نگاروں پر نہایت خوفناک جمود طاری ہے۔ اگر ایک افسانہ نگار نے مادی لحاظ سے آسودہ ہو جانے کی وجہ سے افسانے لکھنے چھوڑ دیئے ہیں یا اگر ایک افسانہ نگار کے فن کو اس کی دفتری مصروفیتوں نے چاٹ لیا ہے یا اگر ایک اور افسانہ نگار نے ملک بھر میں تہلکہ مچا دینے والا ایک افسانہ لکھنے کے بعد قلم توڑ کر پھینک دیا ہے کہ اب فن کے نقطہ عروج پر پہنچنے کے بعد کوئی لکھے بھی تو کیا لکھے تو کیا یہ اس فن کی بے حرمتی نہیں ہے جس کے عروج کا کوئی آخری نقطہ مقرر کرنا ہی انتہا درجے کا 'غیر فنی' فعل ہے؟ اور جس فن کی لگن میں زندگی کی آسائشیں تج دینا بھی جائز ہے؟ کیا پاکستانی افسانہ نگاروں کے پاس ہمارے اس سوال کا کوئی جواب ہے؟ سوال صرف 'فنون' کا ہے مگر ہماری تمنا ہے کہ جواب پاکستان کے تمام معیاری ادبی رسالوں کو ملے۔'' (۱۵)

اردو ادبی جرائد میں فنون ایک نمایاں درجہ رکھتا ہے کہ جس نے ادیبوں اور شاعروں کو شناخت سے ہمکنار کرنے کے ساتھ ساتھ دو سے تین نسلوں کی فکری اور ادبی پرورش کی ہے۔ موجودہ دور کے نمایاں شاعر تقریباً یہاں سے ہو کر گزرے ہیں اور ان کو پہلا حوصلہ فنون نے دیا تو وہ اگلا قدم اٹھانے میں سرخرو ٹھہرے۔ اسی طرح دور دراز علاقوں کے

تخلیق کاروں کو مرکزی دھارے میں شامل کیا جو بعد میں بڑے تخلیق کار بن کر سامنے آئے۔ فنون کے پچپن سالہ دور کی اشاعتیں اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ اس نے اپنے ادبی معیار کو برقرار رکھتے ہوئے نئے لکھنے والوں کو شاملِ اشاعت کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی پہچان بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ فنون نے صرف اس ادب کو شائع نہیں کیا جو بہت بلند معیار کا حامل تھا بلکہ اس نے نئی ادبی اقدار کو متعارف کروانے اور نئے معیار قائم کرنے پر بھی زور دیا۔ قاسمی صاحب کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

> ''فنون' شعروادب میں تجربات کی اہمیت کا معترف ہے لیکن تجربے کا بھی ایک سلیقہ ہوتا ہے اور کوئی قلعہ ہوا میں اب تک تعمیر نہیں ہوا۔ تجربہ ہمارے شعروادب میں تازگی اور شگفتگی لاتا ہے۔''(۱۶)

علم و بحث، شاعری، نثر اور دیگر معیاری تخلیقات کو سامنے لانے کے لئے فنون نے جو اندازِ معیار اپنایا اس نے بہت سے تعلق داروں کو خفا بھی کیا۔ محمد حسن عسکری کی وفات کے بعد ان کی شائع ہونے والی کتاب جدیدیت ۔مغربی گمراہیوں کی تاریخ کا خاکہ پر دوسرے مضمون نگاروں کی طرح محمد ارشاد نے بھی مضمون لکھا جس پر محمد حسن عسکری کے شاگرد سلیم احمد نے ناگواری کا اظہار کیا اور احمد ندیم قاسمی سے اس یقین سے شکوہ کیا کہ حسن عسکری کے خلاف چلنے والی یہ مہم احمد ندیم قاسمی کی ایما پر چلائی جا رہی ہے لیکن محمد ارشاد کے خیال میں یہ شکوہ حقیقت کے برعکس تھا:

> ''محمد ارشاد فرضی نام ہے، اصل کام رشید ملک، محمد کاظم اور متعدد دیگر افراد کا ہے۔ وہ تادمِ آخر اسی آسودگی بخش غلط فہمی میں مبتلا رہے۔ اگر مجھے سلیم احمد اور ندیم صاحب کے درمیان برادرانہ تعلقات کا علم ہوتا تو میں 'جدیدیت' پر ایک سطر بھی نہ لکھتا۔ سلیم احمد اب اس دنیا میں ہیں نہ ندیم صاحب، میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ندیم صاحب نے زبانی یا تحریری، بالواسطہ یا بلاواسطہ، اشارۃً یا کنایۃً کسی بھی ممکن طریقے سے مجھ سے یہ نہیں کہا یا کہلوایا کہ میں 'جدیدیت' پر مضمون لکھوں۔ میں نے جس بھی موضوع پر لکھا اپنی مرضی سے لکھا۔''(۱۷)

یہی وہ معیار تھا کہ جسے سامنے رکھتے ہوئے فنون نے اپنے یا غیر کے بجائے ہر اس تخلیق کار کو اپنے صفحات پر جگہ دی جو اس معیار کو مزید بلند کر سکتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اپنے یا غیر کی ناکردہ تفریق نے احمد ندیم قاسمی سے ان کے بہت سے قریبی دوست ان سے دور بھی ہو گئے تھے۔

فنون کے مدیر احمد ندیم قاسمی کا اصل تعارف ہمیشہ ایک زرخیز زمین والے تخلیق کار کا رہا ہے۔ ان کی ان تخلیقی صلاحیتوں کی بدولت فنون کی ادارت کے دوران جب بھی انہوں نے حقِ ادارت کا استعمال کیا تو بالعموم وہ تخلیق تخلیقی رجحانات اور تخلیق کار کے حق میں تھا۔ ان کے ادارتی رویے کا خلاصہ تخلیقی معیارات کی پابندی اور قابلِ قدر تجربوں کی حوصلہ افزائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک زمانے میں مجلّہ فنون میں کسی نوآموز تخلیق کار کی کسی کاوش کا شائع ہو جانا اسے ادبی طور پر مستند بنا دینے کے لیے کافی تھا۔ فنون کی مجلسِ ادارت کی قدرشناسی کی بدولت اردو کے کئی نئے لکھنے والوں کو اعتماد ملا اور وہ زیادہ وفور کے ساتھ اردو ادب کے خزانے میں اپنے حصہ ملاتے رہے۔ مندرجہ بالا معروضات کی روشنی میں بلاخوفِ تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج کے معاصر ادبی منظرنامے پر ہم جن رجحانات کو نمایاں ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ ان کی تشکیل میں مجلّہ فنون کا اہم حصہ بھی بہر طور شامل ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شہزاد منظر، ندیم اور ترقی پسند تحریک، مشمولہ: افکار، (کراچی، جنوری فروری ۱۹۷۵ء)، ص ۴۶۵

۲۔ عبدالسلام خورشید، صحافت پاکستان و ہند میں، (لاہور: مجلس ترقی ادب، جون ۱۹۶۳ء)، طبع اول، ص ۴۵

۳۔ مسکین علی حجازی، پاکستان و ہند میں مسلم صحافت کی مختصر ترین تاریخ، ص ۱۴۔۱۵

۴۔ ایضاً، ص ۱۰۷

۵۔ صحافت پاکستان و ہند میں، ص ۱۱۱۔۱۱۲

۶۔ ایضاً، ص ۱۳۸

۷۔ شگفتہ حسین، ماہنامہ ادبِ لطیف کی ادبی خدمات، (ملتان: شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، مارچ ۲۰۰۶ء)، ص ۱۶۲

۸۔ احمد ندیم قاسمی، حرفِ اول، مشمولہ: فنون، (لاہور: اپریل ۱۹۶۳ء)، ص ۸

۹۔ احمد ندیم قاسمی، حرفِ اول، مشمولہ: فنون، (لاہور: جنوری تا اپریل ۲۰۰۳ء)، ص ۱۲

۱۰۔ احمد ندیم قاسمی، حرفِ اول، مشمولہ: فنون، (لاہور: جنوری تا اپریل ۲۰۰۳ء)، ص ۱۳

۱۱۔ شمس الرحمٰن فاروقی، قاسمی صاحب، مشمولہ: ادبیات، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، جنوری تا جون ۲۰۱۶ء)، شمارہ نمبر ۱۰۸، ص ۲۹

۱۲۔ انوار احمد، احمد ندیم قاسمی کی تخلیقی و فکری شخصیت کے کچھ پہلو، مجلّہ ماہِ نو، (لاہور، ۲۰۱۶ء) جلد نمبر ۶۹، شمارہ نمبر ۲، ص ۶۸۔۶۹

۱۳۔ ارشد محمود ناشاد، بنیں گے نت نئے خاکے مرے غبار سے بھی، مشمولہ: ادبیات، شمارہ ۱۰۸، ص ۱۱۲

۱۴۔ احمد ندیم قاسمی، حرفِ اول، مشمولہ: فنون، (لاہور، اکتوبر ۱۹۶۳ء)، ص ۱۲

۱۵۔ احمد ندیم قاسمی، حرفِ اول، مشمولہ: فنون، (لاہور، جولائی ۱۹۶۳ء)، ص ۸

۱۶۔ احمد ندیم قاسمی، حرفِ اول، مشمولہ: فنون، (لاہور، اکتوبر ۱۹۶۳ء)، ص ۱۲

۱۷۔ محمد ارشاد، احمد ندیم قاسمی، مشمولہ: مونتاج، (لاہور، جنوری تا اپریل ۲۰۰۷ء / مئی، اگست ۲۰۰۷ء)، ص ۵۳